نگارش: عبدالحی حبیبی
مترجم: ڈاکٹر خواجہ حمید یزدانی

علامہ حبیب اللہ کاکڑ قندھاری

احوال و آثار

علامہ حبیب اللہ قندھاری (ولادت ۱۲۲۳ھ - وفات ماہ رمضان ۱۳۱۵ھ) تیرھویں صدی ہجری اور انیسویں صدی عیسوی میں افغانستان کے مشاہیر علما میں سے تھے۔ ان کی علمی خدمات کے بعض پہلوؤں سے متعلق افغانستان کے مجلہ "سائنس" کے دوسرے شمارے میں جس کی تاریخ اشاعت کا علم نہیں ہو سکا، نامور عالم و محقق آقائے عبدالحی حبیبی نے فارسی میں ایک مقالہ سپردِ قلم کیا تھا۔ "المعارف" میں اس کا اردو ترجمہ شائع کیا جا رہا ہے۔ یہ ترجمہ پروفیسر ڈاکٹر خواجہ عبدالحمید یزدانی (شعبہ فارسی گورنمنٹ کالج لاہور) نے کیا ہے، ہم ان کے شکر گزار ہیں۔ (ادارہ)

پروفیسر عبدالحی حبیبی کی شخصیت علمی و ادبی حلقوں میں جانی پہچانی ہے۔ اگرچہ ان کا تعلق افغانستان سے ہے لیکن وہ کچھ عرصہ پاکستان میں بھی رہ چکے ہیں اور یہاں بھی انھوں نے بہت سا علمی و تحقیقی کام کیا ہے جس میں سے ایک ان کی مرتب کردہ مشہور تاریخ "طبقاتِ ناصری" ہے جسے پنجاب یونیورسٹی نے شائع کیا تھا۔ مدت ہوئی انھوں نے قندھار کے مشہور محقق علامہ حبیب اللہ کاکڑ کے حالات زندگی اور ریاضی، منطق، فلسفہ اور دینی علوم میں ان کی تالیفات و تصنیفات پر ایک تحقیقی مقالہ سپرد قلم کیا تھا جو افغانستان کے ایک مجلہ "سائنس" کے دوسرے شمارے میں شائع ہوا تھا۔ ذیل میں مذکورہ مقالے کا ترجمہ ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے۔ مقالے کے آغاز میں سائنس فیکلٹی کے پروفیسر ڈاکٹر کاکڑ کے نام پروفیسر موصوف کا خط ہے، جس میں انھوں نے اس مجلہ کے پہلے شمارے کے بارے میں اظہارِ خیال کرتے ہوئے مجلہ کے اجرا کو سراہا ہے کہ اس سے جدید نسل سائنس کے کارناموں سے آگاہ ہو سکے گی۔ اس کے ساتھ ہی اس مجلہ کے باقاعدہ جاری رہنے کی دعا کی اور آخر میں کہا ہے کہ میں اس مجلہ کے لیے اپنے وطن کے دانشمندوں اور علما وغیرہم کے بارے میں لکھنے کی کوشش کرتا رہوں گا۔ حبیبی صاحب کا خط حضرت علامہ اقبال کے اس شعر پر ختم پذیر ہوتا ہے۔

گلہ مگیر کہ پایان [illegible]   چراغ خانۂ [illegible] درنگ [illegible] است

راقم نے ہجری سنین کے ساتھ عیسوی سالوں کا اضافہ کر دیا ہے۔ (مترجم)

ایک علمی گھرانا

۱۱۲۰ھ/۱۷۰۸ء میں قندھار کے عوام نے غیروں کی غلامی کا جوا اتار پھینکنے کی غرض سے میرویس خان ہوتک ایسے دلیر و شجاع اور دانش مند کی قیادت میں تحریک ملی کا آغاز کیا تھا، جو قندھار میں ایک ملی مرکزی حکومت کے وجود پذیر ہونے پر منتج ہوئی اور یوں شہر قندھار ادب و ثقافت اور سیاست کا مرکز بن گیا۔ یہی وہ زمانہ ہے جب اربابِ سیاست و حکومت اور اصحاب علم و ادب اپنے اس ملی مرکز کی طرف متوجہ ہوئے۔ چنانچہ زیادہ عرصہ نہ گزرا تھا کہ قندھار کے "کاخِ نارنج" میں میرویس خاں کے بیٹے شاہ حسین ہوتک کے دربار میں اہلِ علم اور اصحابِ ادب و دانش کی ایک خاصی تعداد جمع ہو گئی اور افغانی سلطنت کی عظمت کا ڈنکا ملتان سے اصفہان تک بجنے لگا۔

اسی زمانے میں ہم دیکھتے ہیں کہ دور دراز اور اطراف و اکناف کے بہت سے علمی گھرانے اپنے اس ملی مرکز کی طرف منتقل ہو رہے ہیں اور بڑے بڑے نامور علما، شعرا اور اہل علم و فن ہوتکیوں کے اس پایۂ تخت میں مجتمع ہیں۔ انہی میں سے ژوب علیا[1] کے ایک عالم ملا بابر ہیں جو قندھار ہی کے ایک علاقے کاکڑستان سے ہوتکیوں کے مرکزِ حکومت اور شہر قندھار میں آئے اور یہاں کے علمی حلقوں میں داخل ہوئے۔

نادر شاہ افشار کے برسرِ اقتدار آنے کے ساتھ ہی ایران میں ہوتکی سلطنت کا خاتمہ ہو گیا۔ آخر ایشیا کے اس فاتح نے ایک سال کے زبردست مقابلہ و مقاومہ کے بعد ذی الحجہ ۱۱۵۰/ ۱۷۳۸ء کے اوائل میں ہوتکیوں کے مرکز قندھار کو بھی فتح کر لیا۔ اپنے ہم وطنوں کی طرح ملا بابر نے بھی اس گیر و دار میں بہت سے مصائب جھیلے اور نادر آباد کے نئے قلعہ (شیر سرخ جنوبی قندھار) کی تعمیر میں بیگاری بنے رہے۔

ملا بابر کا ایک بیٹا ملا فیض اللہ تھا جس نے احمد شاہی دور میں ۱۱۶۰ھ/ ۱۷۴۷ء کے بعد ولایت قندھار میں (جو اپنے وسیع جغرافیائی مفہوم میں وادی ژوب تک پھیلی ہوئی تھی) شہرت پائی۔ ملائے مذکور تصوف میں سید فقیر اللہ حصارکی جلال آبادی کے علمی و عرفانی مدرسے سے منسلک تھے، اور احمد شاہ کے جدید تعمیر کردہ قندھار میں اس (احمد شاہ) کے وزیرِ اعلیٰ ولی خان بامیزائی کے زیرِ حمایت و سایہ تدریس کرتے

---

[1] غالباً اس سے مراد ژوب بالا ہے۔ (مترجم)

تھے۔ استاد حصارکی کے ساتھ ان کی خط و کتابت تھی۔[52] ملا فیض اللہ نے منطق صوری کی مبادیات سے متعلق فارسی زبان میں ایک رسالہ اپنے بیٹے حبیب اللہ کے لیے لکھا تھا، یہی حبیب اللہ بعد میں نامور عالم و محقق کی حیثیت سے مشہور ہوئے۔

گہوارۂ علمی میں آغاز طفلی

علامہ حبیب اللہ نے قندھار کے محلہ بامیزائی کے اس علمی گھرانے میں ۔ ۔ ھ/ ۹۹-۱۶۹۸ء میں آنکھیں کھولیں۔ ابتدائی تعلیم اپنی خاندانی درس گاہ میں حاصل کی۔ ایامِ جوانی میں صرف و نحو اور فنونِ بلاغت کے علاوہ تفسیر، حدیث اور فقہ ایسے اسلامی و ادبی علوم سے خود کو آراستہ کیا۔ پھر علومِ منقول کے ساتھ ساتھ علومِ معقول کی تحصیل میں بھی مصروف رہے اور ریاضی، نجوم، ہیئت اور ان کے تمام گوشوں کا خوب مطالعہ کیا۔ انھوں نے ہمسایہ ممالک برصغیر پاک و ہند اور ایران کی کئی مرتبہ سیاحت کی اور ان ممالک کی درس گاہوں میں اس زمانے کے جید و معروف علما و اساتذہ سے جی بھر کے کسبِ فیض کیا۔ علاوہ ازیں علامہ ممدوح نے مختلف مواقع پر عرب ملکوں کا سفر اختیار کیا اور زیارتِ حرمین شریفین سے بھی مشرف ہوئے اور اس دشت گردی میں انفس و آفاق کی سیر میں مشغول رہے۔

دانش مندوں کے حلقے میں

علامہ حبیب اللہ نے مراتبِ علمی طے کرنے اور علومِ معقول و منقول کے حصول کے بعد قندھار، ہرات، کابل اور غزنہ میں اس دور کے مشہور دانش مندوں اور اہلِ علم و فضل کے ساتھ روابط بڑھائے اور ان سے ان کی صحبتیں رہیں۔ وہ بعض علوم عقلیہ میں ملّا احمد الکوزئی قندھاری کو، جو شہر احمد شاہی[53] کے قاضی القضاۃ تھے، اپنا استاد مانتے اور روحانی صفا و باطنی جلا میں شیخ فرح الدین (جو شہر قندھار میں مدفون ہیں) کو اپنا مرشد و راہنما گردانتے ہیں۔ شیخ مذکور ہی کی وساطت سے علامہ کا تعلق میاں فقیر اللہ حصارکی ثم شکارپوری کے عرفانی مکتب سے ہوا، کیونکہ شیخ فرح الدین عارفِ حصارکی کے براہِ راست تھے۔

---

[52] ملاحظہ ہو مکتوبات میاں فقیر اللہ طبع لاہور

[53] جدید قندھار (مترجم)

بعض علما و محقق ملا محمد اعظم[۴] ساکن گیرو (غزنہ) کے ساتھ بھی علامہ حبیب اللہ کے علمی اور ارادت مندانہ روابط ہے چنانچہ اپنے مکتوبات و ملفوظات[۵] میں انھوں نے ملائے موصوف کا ذکر بڑے خلوص و صفا کے ساتھ کیا ہے۔

سردار پایندہ خان مرحوم کا ایک بیٹا سردار مہر دل خان مشرقی صاحبِ ذوق اور ادیب ہونے کے علاوہ ادب پرور بھی تھا۔ اس نے ہمیشہ علامہ حبیب اللہ سے کسبِ فیض کیا اور انھیں اپنے خاندان کے استاد کی حیثیت سے لائق احترام جانا۔ اسی دانش مند سردار کے ایما پر علامہ نے احادیثِ موضوعہ کی تخریج کے سلسلے میں کتاب "نقد الثقات" تالیف کی۔

مذکورہ علما کے علاوہ برصغیر پاک و ہند بالخصوص پشاور (صوبہ سرحد) کے متعدد مشہور علما مثلاً مولانا اسمٰعیل چارباغی کے پیر و کاروں اور پشاور کے قاضی خیلان کے گھرانے سے بھی ان کے علمی روابط رہے اور ان کے ایک نامور شاگرد مولانا عبداللہ غزنوی نے تو پنجاب کی سرزمین میں علوم اسلامی سے متعلق ایک مستقل ادارۂ تحقیق کی بنیاد رکھی، اس ادارے کے فارغ التحصیل آج بھی برصغیر پاک و ہند میں موجود ہیں[۶]۔

اپنے وطن میں علامہ قندھاری نے ایک مدت تک مرکز علم و ہنر یعنی شہر ہرات میں بھی قیام کیا اور وہاں کے فضلا سے ان کی صحبتیں رہیں۔ چنانچہ اس مردم خیز شہر کی زیارت اور اس میں اقامت کے بعد انھوں نے وہاں کے فضلا کی مدح اور مزارات کی توصیف میں ایک بلیغ قصیدہ بزبانِ عربی لکھا جس کے چند رقت انگیز اشعار یہ ہیں:

زوریا صبا! سکان ارض ہرات	بلغ سلامی مجمع الحضرات
قل داعیا مع دعیا لدعائھم	سقیا لکم من فضلہ عطرات

۴؎ اس سے مراد حضرت علامہ سید عبداللہ غزنوی ہیں جنھیں امیر افغانستان نے ملک بدر کر دیا تھا جس کے نتیجے میں وہ امرتسر آکر آباد ہو گئے تھے۔ ان کی اور ان کے اخلاف کی دینی خدمات کا سلسلہ بہت وسیع ہے۔ (مترجم)

۵؎ یہ "ملفوظات ملا حبیب اللہ قندھاری" کے نام سے مشہور اور قلمی صورت میں موجود ہیں جن کی نقول بعض اہل علم کے پاس ہیں۔ (مترجم)

۶؎ ملاحظہ ہو: شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ از سید سلیمان ندوی۔

فانزل بقرب فنا زیارتگاہہا — واستنزل البرکات بالدعوات

وبباب شیخ الطاق رد مستبراً — ثم انعکف [illegible] مسکب العبرات

واقصد حریم جناب گازرگاہہا — والزم بشوق [illegible] بالحجرات

ترجمہ: اے نسیم صبح گاہی سرزمین ہرات کے باغات پہ گذر اور اس دیار کے دوستوں کو میرا سلام کہہ۔ ان سے میرے حق میں دعا طلب کر اور کہہ، کہ تم ہمیشہ اس سرزمین کے فضل کے آب شیریں و صفا سے سیراب رہو۔ زیارتگاہ کی [illegible] اور اس بابرکت حریم سے فیوض حاصل کر۔ شیخ طاق کے در پر آنسو بہا کر اور میری ارادت وہاں پہنچا۔ گازرگاہ کے آستانے پر بھی گذر اور ایک مدت تک شوق و ذوق سے اس حریم فضیلت کے حجروں میں آرام کر۔

منقول سے معقول کی طرف

مغلوں (منگولوں) کے حملے کے بعد افغانستان کے خوبصورت اور بڑے بڑے شہر بلخ، بست و زرنج، غزنہ اور بامیان جو علم و فضل کا گہوارہ اور علماء کی پرورش گاہ تھے ہولناک ویرانوں میں تبدیل ہو گئے۔ خراسان کے علمی مدارس جو سامانیوں، غزنویوں اور غوریوں کے ادوار میں موجود تھے ان کا نام و نشان تک مٹ گیا۔

ان تباہ کاریوں کے باعث علم کی نشو و نما بھی رک گئی اور البیرونی اور ابن سینا ایسے مفکر و دانشور جو معقول علوم کے میدان میں تازہ اور بے مثال کارنامے انجام دے سکتے تھے پھر وجود میں نہ آسکے جس کے نتیجے میں لوگوں نے منقولات دینی ہی کی تعلیم پر اکتفا کیا اور دنیوی علوم و سائنس کی کتابیں [illegible]۔

آٹھویں، نویں اور دسویں صدی ہجری میں افغانستان میں تصوف، فقہ اور فنون ادبیہ و اخلاق سے متعلق بڑی قد آور شخصیات نظر آتی ہیں جن میں حضرت جامی اور کاشفی وغیرہم خاص طور پر قابل ذکر ہیں، لیکن علوم معقول کے مختلف شعبوں مثلاً ریاضی، ہیئت، حکمت، نجوم اور منطق میں ایسی صورت حال نہیں ہے۔

جس زمانے میں احمد شاہ ابدالی قندھار میں سلطنت افغانی کی بنیاد [illegible] مملکت کے مدارس میں خاص نظم و ضبط کے تحت سلسلہ تدریس جاری تھا جن کا اہم حصہ منقولات [illegible] مثلاً تفسیر، حدیث اور فقہ کی زیادہ تر تدریس سے [illegible] کم معقولات کی تعلیم تھا۔

علامہ حبیب اللہ کلار اپنے عصر کی یکتا شخصیت تھے۔ انہوں نے ایسے زمانے میں [illegible]

محدود ماحول کی ٹھوس قیود سے آزاد رکھا اور علوم حاصل کرنے کے لیے دیگر ملکوں کے سفر اختیار کیے اور اس طرح وہاں علم و تہذیب کے بہت سے خزانے سمیٹے۔ اس قسم کے حسین و عمدہ تحفے لے کر وہ وطن لوٹے کہ یہاں پھر سے علوم معقول مثلاً ریاضی، ہندسہ، نجوم، اقلیدس، ہیئت اور منطق کی تدریس و تعلیم کو رواج بخشا۔

علامہ کاکڑ کی تالیفات و تصنیفات

علامہ حبیب اللہ نے مختلف دینی اور علمی موضوعات پر عربی، فارسی اور پشتو میں پچیس[25] کے لگ بھگ کتب و رسائل لکھے ہیں۔ چونکہ یہاں ہمارا مقصد ان کی فقہی، دینی، اخلاقی اور ادبی تصانیف پر تبصرہ نہیں ہے اس لیے صرف ان کے ناموں پر اکتفا کیا جاتا ہے:

۱۔ شوارق : عربی زبان میں علم حدیث سے متعلق۔ صاغانی کی مشارق الانوار کے طرز پر صحیحین کی قولی احادیث کے استیعاب کے اضافے کے ساتھ۔

۲۔ اقسام و مجاری و آفات غرور (فارسی) اخلاق و عرفان کے بارے میں۔

۳۔ رسالۂ تفکر (فارسی) اخلاق و عرفان کے بارے میں۔

۴۔ رسالۂ نماز و اسرار آن از نظر منقول و معقول (فارسی)

۵۔ رسالۂ صبر و شکر (فارسی) اخلاقیات۔

۶۔ رسالۂ محبتِ الٰہی (فارسی) اخلاق و تصوف۔

۷۔ رسالۂ تمیز مومن و کافر (فارسی) دین و کلام سے متعلق یہ ایک تحقیقی رسالہ ہے۔

۸۔ تواریخ و نیات مشاہیر اسلامی قرونِ ثلاثہ (فارسی)

۹۔ شمعۂ بارقہ در شرح وحدتِ شہود و وجود (فارسی)

۱۰۔ موعظہ ہا و خطب (عربی و فارسی)

۱۱۔ چہل مسئلۂ دینی (فارسی)

۱۲۔ احکام اللہ فی احکام اہل القبلہ (عربی) امام غزالی کی محصل فیصل التفرقہ پر مشتمل، دوسرے مباحث اور تحقیقات کے اضافوں کے ساتھ۔

۱۳۔ مغتنم الحصول فی علم الاصول[26] (عربی)۔ فلسفۂ تشریع کے بارے میں اور اصول فقہ پر تنقیدی

۱۴- ترجمہ و شرح فارسی مقامات حریری

۱۵- نقد الثقات فی تزییف الموضوعات (فارسی) - احادیث موضوعہ کی تخریج کے متعلق۔

۱۶- ابجد التواریخ (عربی) - تاریخ اسلام سے متعلق۔

۱۷- منہاج العابدین (منظوم - پشتو) - اخلاق و عرفان۔

ھار کے ایک گوشے میں نشأۃ ثانیہ سے مشابہ آثار

آج سے چار صدیاں پہلے یورپ میں علم اور اہل علم کی حالت دگرگوں ہوئی جس کے نتیجے میں وہاں علمی و تحریک کی بنیاد رکھی گئی جسے دورۂ رنسانس یعنی علم و ادب کی تجدید حیات کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ طرح سولھویں صدی عیسوی کے شروع میں انسانی دانش و بینش کے اس دورِ جدید کا آغاز ہوا۔

اٹھارھویں صدی عیسوی، جس کے اواخر میں محقق قندھاری نے دنیا میں قدم رکھا، درحقیقت انسانی فکر و بشہ کی نشو و نما اور سائنسی علوم کے تیز رفتار اکتشاف کا زمانہ ہے اور جیسا کہ اہلِ تحقیق اس بات پر متفق ، اہلِ یورپ کا صحیح معنوں میں دانش و فلسفہ کے دورِ جدید میں داخل ہونا دو عظیم شخصیتوں کی وساطت سے ہے - اوّل دانش مند فرنگی فرانسس بیکن (BACON) جس کا زمانۂ حیات سولھویں صدی عیسوی کے نصف دوم سے سترھویں صدی کے اوائل تک کا ہے۔ (ملاحظہ ہو، سیر حکمت در اروپا ۱/۸۰ و تاریخ تمدن عرب ۱/۵۶۰ بعد) - بیکن گویا تیموریان ہرات (۱۵۶۱ - ۱۶۲۶ء) کا ہم عصر تھا، اور دوسرا فرانسیسی فلسفی رینے دکارت (RENE DESCARTES) جس کا دورِ زندگی ۱۷ ویں صدی عیسوی ہے - یہ وہ زمانہ ہے جب تیموریانِ ہرات کی حکومت کے ... کے بعد ہمارے ملک میں ایشیا کی دو بڑی سلطنتوں (برصغیر کے مغلوں اور ایران کے صفویوں) کے ساتھ آزادی کی جنگیں پوری شدت سے جاری تھیں اور اٹک سے سیستان تک پیر روشان، خوشحال خان خٹک، ایمل خان اور شیر خان ترین وغیرہم کی ملی تحریکیں چل رہی تھیں جو بالآخر صفویوں کے غلبے کے اختتام اور قندھار میں میرویس خان ہوتک کی مشہور تحریک پر منتج ہوئیں۔

اس دار و گیر کے زمانے میں اہلِ علم کے لیے ممکن نہ تھا کہ وہ دلجمعی اور آرام و سکون کے ساتھ رہ سکیں، یا علم و ہنر کے اکتشاف کی طرف توجہ دے سکیں، جبکہ اسی دور میں یورپ میں علمی اور دانش و ہنر کی تجدیدِ حیات کی تحریک بڑی تیزی کے ساتھ پھیل رہی تھی اور تحریک کی ابتدائی کامیابیوں کی بنیادیں رکھی جا چکی

تھیں، جس کے نتیجے میں آج انسان خلا کی وسعتوں کو تسخیر کر رہا ہے۔

قصہ کوتاہ! احمد شاہ ابدالی کی تخت نشینی کے بعد ہمارے ملک میں سازگار فضا پیدا ہوئی، عو
ایک ملی مرکز کے گرد جمع ہوئے اور یہاں امن وسکون کا دور دورہ ہوا۔

محقق قندھاری کے گھرانے نے امن وسکون کی اس فضائے سازگار سے فائدہ اٹھایا، اور قند
کے محلہ بامیزائی کے ایک گوشے میں احمد شاہی وزیر اعظم شاہ ولی خاں بامیزائی کے (محل کے) قریب ا
چھوٹا سا مدرسہ کھول لیا جس میں علوم و فکر انسانی سے متعلق تحقیق کی تعلیم دی جاتی تھی۔

اس زمانے میں یورپ میں جدید علوم کی مضبوط و مستحکم اور پائدار بنیادیں رکھی جا چکی تھیں۔ اہل عل
بیکن اور دکارت کے افکار کی روشنی میں انسانی فکر و اندیشہ کے تاریک گوشوں تک رسائی پا چکے تھے
لیکن چونکہ افغانستان ان مراکز انقلاب سے دور تھا اور ایشیا کے وسط میں گھرا ہوا تھا، اس لیے
وہ یورپ کے مذکورہ علمی رنسانس اور انقلابات کی روشنی میں محروم رہا اور اگر اس ملک کے بعض گوشوں
میں کچھ اہل علم و دانش موجود تھے تو وہ قدیم افکار اور قدما کی علمی روش کے چوکھٹے سے باہر نہیں نکل سکے
تھے۔ نتیجۃً فکر و اندیشہ کی تربیت و پرورش کے وسائل محدود ہو کر رہ گئے تھے۔

علامہ کاکڑ نے اس ماحول میں فکر آزاد کا چراغ روشن کیا اور اپنی خداداد صلاحیت و ذکاوت کے
پرتو میں قدیم اوہام کی قیود سے نجات حاصل کی اور بصیرت کاملہ کے ساتھ حقائق علوم کی تحقیق میں غور و فکر کیا
اس دانش مند کے آثار علمی میں تحریک تجدید حیات (یورپ) کے دانش مندان بزرگ کے فکر و فلسفہ
کی صدائے بازگشت سنائی دیتی ہے اور جو کام بیکن اور دکارت نے ریاضی، منطق اور فلسفہ میں کیا ہے، بعینہ
وہی یا اس سے بڑی حد تک مشابہ کام، قندھار کے ایک گوشے میں مقیم اس مفکر و یکتائے دہر نے سرانجام
دیا ہے۔

بظاہر اس بات کا احتمال نہیں ہے کہ علامہ قندھاری نے دکارت ایسے فلاسفہ کے علمی افکار و اکتشافات
سے براہ راست استفادہ کیا ہو، اس لیے کہ اس دور میں کوئی ایسا ذریعہ نہ تھا جس سے افکار جدید کی کچھ
روشنی ہمارے ملک تک بھی پہنچ پاتی، اور نہ علامہ قندھاری، عربی، فارسی، پشتو اور اردو کے سوا کسی مغربی
زبان ہی سے آشنا تھے۔ پھر علوم جدید سے متعلق کتب کا ان زبانوں میں ابھی ترجمہ بھی تو نہ ہوا تھا۔ اس
لحاظ سے علامہ قندھاری کے مذکورہ دور کے یورپی علما سے استفادہ و الہام کا امکان بعید از قیاس ہوگا

چونکہ دانش مندوں، اہلِ بصیرت اور اربابِ فکر و فلسفہ کے درمیان افکار و تحقیق کا توارد ہمیشہ محتمل الوقوع رہا ہے، اس لیے ممکن ہے، محقق قندھاری نے بھی قندھار کے ایک گوشے میں واقع خانقاہ میں وہی کچھ سوچا اور ویسا ہی غور و فکر کیا ہو، جیسا فرانس کے ایک شہر میں رہنے دکارت رہا تھا - اس کی وجہ واضح ہے کہ انسانی فکر کے سرچشمے مشترک ہیں اور ذکاوت و دانش و بینش ایک سرچشمۂ فیاض سے انسانی فکر کو سونپی گئی ہے۔

افغانی اور فرانسیسی دانش مند کس طرح ایک ہی جائے فکر و اندیشہ میں آگے بڑھتے ہیں:

کہتے ہیں نشاۃ ثانیہ کے دور میں رہنے دکارت تازہ و جدید علمی روش کا موجد ہے۔ اس لیے کہ اس کے زمانے میں علومِ ریاضی کی، بالخصوص حساب اور ہندسہ کے شعبوں میں، بنیاد وہی تھی جو یونانیو نے رکھی تھی، اور جو کچھ اقلیدس اور دوسرے یونانی اساتذہ نے اپنے پیچھے چھوڑا تھا اس میں کوئی جدید یا تازہ کاری نہ ہوئی تھی اور نہ کوئی تبدیلی ہی پیدا ہوئی تھی - لیکن دکارت نے ہندسۂ تحلیلی (ANALYTIC GEOMETRY) ایسا علم ایجاد کیا، جس کی وہی اہمیت ہے جو قدیم میں فیثاغورس اور ارشمیدس کے اکتشافات کی تھی۔

ہندسۂ تحلیلی میں دکارت کی اساسِ کار اس پر تھی کہ ہندسہ کے مسئلوں کو جبر و مقابلہ کے طریقے سے حل کیا جائے - یعنی خطوط اور شکلیں بنانے اور اس طرح ذہنی قوتوں کو ان کی تحلیل وغیرہ میں مصروف رکھنے کی بجائے الجبرا کے قواعد، فارمولے اور معادلات (برابر کی چیزیں) وہاں بروئے کار لائے جائیں اور الجبرا کے عمل سے ہندسہ کے مسئلوں کو حل اور مجہولات کو معلوم کیا جائے اور اس طرح نتائج کو ثابت کریں۔

دکارت نے اس اختراع و ایجاد کے ذریعے اشکال کو، (جو مقولۂ کیفیت ہیں)، مقدار میں کہ مقولۂ کمیت ہے، تبدیل کر دیا۔ دوسری جانب ایک ایسی ترتیب اختیار کی کہ وہ نسبتیں، تناسبات، مقادیر اور عمل جو ان میں نظر آتے ہیں، خطوط کی صورت میں نمودار ہوں۔ یعنی مقدار منفصل مقدار متصل میں دکھائی دے۔ یہ سب کچھ بہت زیادہ آسانی کا سبب بنا اور اس نے ریاضی دانوں کو مسئلوں کے حل و کشف کی پوری قدرت عطا کر دی بطوریکہ یہ (ترتیب) علومِ ریاضی کے دیگر شعبوں کی اختراع کی کلید ثابت ہوئی۔ (ملاحظہ ہو سیر حکمت ص ۱/۱۰۵)

علامہ کاکڑ نے ریاضی و ہندسہ سے متعلق عربی و فارسی میں ضخیم کتابیں لکھیں، جو حسب ذیل ہیں:

۱۔ منتخب تحریر اقلیدس، بحذف بعض از وجوہ زائدہ (عربی)

۲۔ ترجمۂ تحریر اقلیدس (فارسی) انتخاب کی صورت میں۔

۳۔ ترجمۂ کتاب اکر ثاوذ یوس، علوم متوسطہ ریاضی سے متعلق۔

۴۔ مختصر کتاب کشف القناع عن احکام شکل القطاع تالیف خواجہ نصیر طوسی۔ سطح کرہ پر اضلاع مثلثات قوسیہ حادثہ کی مقادیر جاننے کے بارے میں۔

۵۔ کتاب ریاض المہندسین (عربی اور فارسی) ایک ہزار آٹھ سو بڑے صفحات پر مشتمل، اس کا پہلا روضہ اصول اقلیدس سے متعلق ہے۔ دوسرا روضہ قواعد حساب، دلائل کے ساتھ۔ تیسرا روضہ علم الابصار پہ ہے اور یہ مشتمل ہے علم مناظر اور علم مرایا یعنی علم الانعکاس پر۔ روضہ چہارم علم ہیئت کے بارے میں اور قوانین رصد اور آلات رصدیہ پر مشتمل ہے۔ بعض مسائل ریاضی بھی آ گئے ہیں۔ پانچویں اور چھٹے روضہ میں بھی آخر تک مسایل و اکر (کرہ کی جمع) ہیں اور اس کے ساتھ ساتھ مثلثات قوسیہ سطح کرہ وغیرہ کا اضافہ کیا گیا ہے۔

علامہ کاکڑ نے اپنی ان کتب میں ان قیود و حدود کو توڑ کے رکھ دیا ہے جن کے پیچ و کھڈ میں علما محصور چلے آ رہے تھے۔ انھوں نے مسائل ہندسی کے کشف و تحقیق اور خطوط و اشکال کی تعریف و تفریق میں ایک نئی راہ اختیار کی ہے جو ان کے فکری ابتکار و تازہ کاری کی غماز ہے۔ انھوں نے دکارت کی مانند خطوط و اشکال کی ترمیم کو ابجدیہ رقموں کے ساتھ مخل مقصد اور تصحیف و تحریف کا موجب جانا اور خطوط و اشکال کے لیے مناسب نام وضع کرنے کی خاطر ایسے قواعد ایجاد و اختراع کیے ہیں جن کی بدولت اشکال کی تحریر اور حروف ابجدیہ کے استعمال کی ضرورت نہیں رہتی، بلکہ انھوں نے تو ایسے مناسب نام اور القاب وضع کیے ہیں جن کی رو سے خیالی شطرنج بازوں کی طرح، مبتدی کا ذہن بآسانی ان تک پہنچ جاتا ہے، اور پرانے طریقوں کی ضرورت نہیں رہتی۔

"ریاض المہندسین" کے مقدمے میں وہ لکھتے ہیں:

عربی سے ترجمہ: اب تک طریق کار یہ ہے کہ خطوط اور سطحوں کے مابین امتیاز ابجدی رقموں سے کرتے ہیں، لیکن یہ روِیہ التباس، تصحیف اور تحریف کا سبب بنتا ہے جس سے ان کی تعریف و تمیز

معلوم ہوتا ہے اس لیے میں نے موجودہ ارقام (رقموں) کو ترک کر دیا اور خطوط کو مناسب ناموں سے موسوم کیا جن کے ذریعے ایک دوسرے خط میں فرق و تمیز ہو سکے، اس لیے کہ ہمیں معلوم ہے کہ ان میں بعض ارقام سے امتیاز کرنا اشکال کی صورتوں کے تخیل کو مشکل بنا دیتا ہے جبکہ انھیں مناسب القاب سے نامزد کرنا، قلم کے ذریعے ان اشکال کی ترسیم (خط کشی) سے بے نیاز کر دیتا اور اہلِ دانش و ہوش کو قدرت عطا کرتا ہے تاکہ وہ جس وضع و صورت اور شکل کے طالب ہوں اسے اپنے لوحِ خیال میں ثبت کرلیں۔ ہر چند ماضی اور حال میں انھیں ایسا احساس نہ ہوا ہو، اور وہ ان چند خیالی اور زیرک شطرنج بازوں کی طرح ہوں گے جو شطرنج خیالی کھیلتے ہیں۔ (مقدمہ ریاض المہندسین۔ قلمی)

گویا محقق قندھاری علوم قدما کے محض نقال نہ تھے بلکہ انھوں نے ریاضی کے تمام شعبوں میں تنقیدی و تجرباتی نظر سے کام لیا اور ایسے نئے طریقے اپنی ان کتابوں میں پیش کیے جو خود ان کے اپنے ذوق و ادراک کی پیداوار ہیں، اور اس سلسلے میں انھوں نے جدت سے کام لیا ہے۔ حتیٰ کہ انھوں نے منتخب تحریر اقلیدس میں، جس میں ان کا بنیادی ماخذ محقق طوسی کی کتاب تھی، بہت سے مقامات پر مسایل ہندسہ کی تحلیلی صورتوں کو دوسری صورت میں، جو اس کتاب میں نہ تھی، استخراج کیا اور اس مقصد کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس کتاب کے مقدمے میں کہا ہے۔ (عربی سے ترجمہ): "کتاب اقلیدس صوری، ہندسہ اور حساب کے اصول (جڑیں) پر مبنی ہے جن سے علم ریاضی کی شاخیں پھوٹتی ہیں اور اس کی بنیادیں اس فن (علم) پر استوار ہوتی ہیں۔ اس بنا پر جو لوگ نظری علومِ حکمیہ کی تحصیل یا قطعی فنونِ عقلیہ کی تکمیل کرتے ہیں، وہ اس کتاب سے بے نیاز نہیں رہ سکتے . . . چونکہ حصولِ تعلیم کے زمانے میں میں نے دانش مند محقق محمد بن حسن طوسی کی اس کتاب کا ایک مدت تک مطالعہ کیا ہے، اس لیے مجھے خواہش ہوئی کہ اس کی چند غیر ضروری زاید وجوہ (رقموں) کو، جو گویا تحصیل حاصل میں شمار ہوتی ہیں، حذف کر دوں اور چند ایسے مطالب کے (جو اصل کتاب میں نہ تھے اور علمی مسائل کو اس نے دوسرے اور آسان تر انداز میں پیش کیا ہے) بیان و توضیح کو مختصر کر کے ایک نئی ترتیب دوں اور طوالت و اطناب سے محترز رہوں . . . . "

ان کتب کے علاوہ علامہ کاکڑ نے زیجِ الغ بیگی پر، جو ہیئت اور نجوم کی بہت مشہور کتاب ہے، مفید حواشی لکھے، اور اس میں چند ایسے خاص مسائل کا اضافہ کیا جو خود ان کی اپنی تحقیق و انکشاف کا ثمر تھے۔

چونکہ علمِ موسیقی کو بھی ریاضی ہی کی ایک شاخ گردانا گیا ہے۔ نہ فیثاغورس کے مطابق نغموں کی

۱

تولید میں آوازوں کی ترکیب، عددی تناسبات ہی کے تابع ہے، بنابریں علامہ کاکڑ نے علم ریاضی کی شقوں میں موسیقی پر بھی ایک رسالہ لکھا جس میں ریاضی کے فارمولوں (قاعدوں) کے تحت اس (موسیقی) کے اصول متعین کیے اور اس کے ساتھ ہی شرعی نقطۂ نظر سے اس علم کے جواز اور عدم جواز ت لکھی و ث کی ہے۔

ان کے فارسی میں تصنیف کردہ بہت مفید اور سودمند رسائل میں ایک رسالہ "سمت القبلہ" ہے جس کی پانچ فصلیں ہیں۔ اس رسالے میں انھوں نے یہ بات کہی ہے کہ قبلے کی سمت کی تحقیق کے لیے دلائل ہندسی سے استفادہ کرنا چاہیے اس بات کو انھوں نے دینی دلائل سے ثابت اور واضح کیا ہے۔ ان کی بحث کا نتیجہ کچھ اس طرح ہے:

"ہندسہ کوئی شرعی علم نہیں ہے یعنی شرع اس علم میں وارد نہیں ہوئی، لیکن اس کا یہ مطلب نہیں کہ ضرورت کے وقت قانونِ ہندسہ سے کام لینا ممنوع ہے س کا معاملہ بھی طب، حساب اور نجوم کا سا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی شرعی علم نہیں ہے لیکن ضرورت اور موقع کے مطابق ان سے استفادہ کرنا واجب و مناسب ہے ۔ ۔ ۔ ۔ یہ جو آغازِ اسلام میں اس علم کی طرف توجہ نہیں ہوئی تو اس کی وجہ یہ تھی کہ اس دور میں اس کا وجود نہ تھا۔

"لیکن اس کے بعد سے یعنی عباسی خلیفہ مامون کے زمانے سے لے کر آج تک یہ علم اہلِ اسلام میں پوری طرح مروّج ہے اور بہت سے محققین اور دقیق النظر فضلا نے اس کی ہر شاخ میں — اصولِ اقلیدس سے لے کر فن مجسطی تک — لائق استفادہ تصنیفات و تالیفات اپنی یادگار چھوڑی ہیں ۔ ۔ ۔ ۔ لہٰذا ایسے ممالک میں، کہ جہاں ماہر اور ثقہ مہندسین کثرت سے ہیں، ان (مہندسین) کے قول پر عمل کرنا بلاشبہ واجب اور کم از کم کارِ خوب ہے ۔ ۔ ۔" (تحقیق سمت القبلہ، قلمی، ص ۳۰)

اس رسالے میں علامہ کاکڑ نے علمائے ہیئت اور زیجات و اسطرلاب کے ماہرین کے اقوال نقل کیے ہیں جن میں علامہ بیرجندی[۸]، صلاح الدین قاضی زادہ[۹] رومی اور قاضی صدر الاسلام خاص طور قابلِ ذکر ہیں۔

---

[۸] مولانا عبد العلی بیرجندی: دورۂ تیموریان ہرات کا مشہور منجم اور ماہر فلکیات، جنھوں نے تذکرہ و تحریر مجسطی، شمسیہ حساب زیج الغ بیگی اور رسالہ ابعاد و اجرام وغیرہ پر شرحیں لکھیں۔ (حبیب السیر جلد ۳ صفحہ ۱۱۷)

[۹] موسیٰ بن محمد مشہور بہ قاضی زادۂ رومی: سمرقند میں الغ بیگ کے دربار کا ایک عالم فلکیات، جنھوں نے محمد بن محمود چغمینی متوفی ۷۴۵ھ/۱۳۴۴ء کی علم ہیئت کی کتاب "ملخص" کی شرح لکھی۔ دراشکال التاسیس پر بھی (۸۱۴ھ/۱۴۱۱ء) کے لگ بھگ شرح لکھی۔ (اعلام المنجد، ص ۴۰۳)

پھر اس ضمن میں انھوں نے جدید ہندسی وجوہ (ترقیں) بیان کی ہیں جو سہل بھی ہیں اور خود ان کے اپنے فکر و غور کا نتیجہ بھی۔ ان کے مطابق:

"واضح ہو کہ اس سلسلے میں فضلائے مہندسین نے قوتِ فراست، کمال زیرکی اور علمی فضیلت کے بل بوتے پر قطعی براہین کے ساتھ تحقیق ثابتہ کے جو طریقے نکالے ہیں، وہ بہت زیادہ ہیں، لیکن ان میں سے اکثر سمجھنے میں دشوار اور عمل میں مشکل ہیں، جس سے متعلم کو خاصے دردِ سر اور تشویش کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ ہم یہاں چند قریب الفہم طریقے پیش کرتے ہیں جو (ہمارے) فکرِ فاتر اور نظرِ قاصر کے استخراج کردہ ہیں"۔ (تحقیق سمت القبلہ ص ۶۲)

علامہ کے ان اشارات سے یہ بات واضح ہے کہ علم ہندسہ و ریاضی کے مختلف مسایل میں وہ خاص نظر رکھتے تھے، جس کی تحقیق و شرح ماہرینِ ریاضی کا کام ہے۔ اگر ان کی یہ کتب، جو قلمی نسخوں کی صورت میں آج بھی ہمارے ملک میں، یا برصغیر پاکستان و ہندوستان کے عجائب گھروں اور کتب خانوں میں نظر آتی ہیں، جمع کر لی جائیں اور ان پر متخصصین اور علمائے ریاضی دان تحقیق و مطالعہ کریں تو ممکن ہے علامہ کا تبحّر اور ان کی مہارت پہلے سے بھی بہتر اور خوب تر روشن و واضح ہو جائے۔

منطق پر تنقیدی نظر: دکارت اور کانت سے کا کراتک

قدما کے نزدیک منطق سے مراد ایسے قواعد تھے جن کو نظر میں رکھنے سے ذہن فکری لغزشوں اور خطاؤں سے محفوظ رہتا ہے [۱۰]

کہتے ہیں اس علم کا موجد و واضع یونانی فلسفی زینون (پانچویں صدی قبل از مسیح) ہے۔ ارسطو نے اس علم کی تکمیل اور افلاطون نے تہذیب کی۔[۱۱] مامونِ عباسی (۱۹۸ھ/۸۱۴ء - ۲۱۸ھ/۸۳۳ء) کے عہدِ خلافت میں جب مسلمانوں میں علمی تحریک کا آغاز ہوا تو علم منطق سے متعلق کتابوں کو بھی عربی میں منتقل کیا گیا۔ منطقِ ارسطو کو سب سے پہلے عبداللہ بن مقفع نے (۱۵۸ھ/۷۷۵ء کے لگ بھگ) عباسی خلیفہ منصور

---

[۱۰] آلۃ قانونیۃ تعصم مراعاتہا الذھن عن الخطاء فی الفکر ہے۔ . . . ہے جس کو ملحوظ رکھنے سے ذہن انسانی غلطیوں سے محفوظ رہتا ہے۔ (سلم۔ تعریفات

[۱۱] زبدۃ الصحائف ص ۹۱

کے زمانے میں یونانی سے عربی کے قالب میں ڈھالا۔[۱۲] اس کے بعد مسلمان علما نے اس علم میں بے شمار کتابیں لکھیں۔ چنانچہ صرف الکندی ایسے مشہور فلسفی نے اس علم پر نو[۹] کتابیں تحریر کیں۔[۱۳]

منطقِ ارسطو، جو چھ کتابوں پر مشتمل ہے، بیکن اور دکارت کے زمانے تک تقریباً بے کم و کاست علم کی بنیاد رہی ہے، اور جیسا کہ شیخ الرئیس (بو علی سینا) نے کہا ہے: ارسطو کے بعد سے اس کے زمانے تک کوئی شخص ایسا پیدا نہیں ہوا جس نے منطقِ ارسطو میں کچھ اضافہ کیا یا اس میں کسی قسم کی کمی یا کوتاہی ثابت کی ہو۔[۱۴] چنانچہ دکارت کے زمانے تک بھی یہی اصول بعض اضافوں کو چھوڑ کر، فلسفے کے ایک اہم باب میں شمار ہوتا رہا ہے۔ لیکن فرانسیسی فلسفی دکارت نے علوم و حکمت کے احیاء و تجدید کے لیے جو کام انجام دیا وہ یہ تھا کہ اس نے کسبِ معرفت و علم میں نئی روش اور جدید اسلوب اختیار کیا، جس کے وسیلے سے اس نے طلبِ علم کے لیے ایک نئی راہ کھول دی۔ وہ اس بات پر متوجہ ہوا کہ منطق کے قواعد تمام تر درستی و استواری کے باوجود کسی نامعلوم کو معلوم نہیں کر سکتے۔ منطقِ ارسطو مجہولات کے انکشاف کا وسیلہ نہیں ہے اور جو اہمیت مدرسہ کے اہلِ فلسفہ اسے دے رہے ہیں اس کے وہ لائق نہیں، لہذا مدرسی فلسفیوں کی تقلیدِ محض سے ہٹ کر اور استقلالِ فکر کے ساتھ کشفِ حقائق کی کوشش کرنی چاہیے۔ بیکن کا دستور، تجربہ اور مشاہدے پر مبنی تھا، لیکن دکارت قوتِ فکر و نظر کو بروئے کار لانے کی سفارش کرتا رہا اور ان دو طریقوں اور روشوں کے نتیجے میں، کہ دونوں ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں، آخری تین سو سالوں میں یورپ میں بھی ارسطو کی منطقِ صوری سے الگ نئی اسلوبی (METHODICAL) اور عملی منطق پیدا ہوئی جس کی اہمیت منطقِ ارسطو سے [illegible]

اس کے بعد جرمنی کے مشہور فلسفی امانویل کانٹ (KANT) (۱۷۲۴ء — ۱۸۰۴ء) نے تجدیدِ فلسفہ کی ٹھانی۔ اس نے تقریباً ارسطو ہی کے کام کو ایک نئے ڈھنگ سے شروع کیا اور عقلی منطق پر ایک

---

۱۲ بعضوں کا نظریہ یہ ہے: چونکہ ابن مقفع یونانی زبان نہیں جانتا تھا اس لیے اس نے منطق کا پہلوی زبان سے عربی میں ترجمہ کیا ہوگا، کیونکہ ابنِ ندیم نے بھی ایسا ہی کہا ہے (مقدمہ رہبر خرد)

۱۳ تاریخ تمدن اسلامی، جرجی زیدان

۱۴ شفا از ابن سینا۔ باب منطق

۱۵ سیر حکمت در اروپا جلد ۲ ص ۱۳۲

۱۶ سیر حکمت در اروپا جلد ۱، ص ۱۰۰

تنقیدی کتاب لکھی جو منطق کی تکمیل کنندہ ہے۔ کتاب کے بیشتر حصے کو خود اس نے منطق کا نام دیا ہے اور اس کے ابواب کے [illegible] رکھے ہیں جو ارسطو نے رکھے تھے[۵۱۷]

اب رہے محقق [illegible] اصولِ تنقید کے باب میں، کیا ریاضی و ہندسہ میں اور کیا منطق اور اصولِ تشریع و فقہ میں، ان کی خاص روش و نظر ہے، جس کی شرح و تفصیل کے لیے ایک دفتر درکار ہے اور اس مقالے میں اسے سمیٹا نہیں جا سکتا۔

اس کا ملخص ان کے لفظوں میں۔

مسائلِ علوم میں ہر روز اضافہ ہو رہا ہے اور علوم و فنون کا ارتقا و تکامل ہمیشہ افکار کے تواتر کے ساتھ جاری رہتا ہے[۵۱۸] اور اس صورت میں وہ اپنے کام کا دار و مدار فکرِ آزاد پر رکھتے ہیں۔ خاص طور پر مسائلِ ہندسہ و منطق میں وہ تنقیدی اور محققانہ نظر سے کام لیتے ہیں۔ مثال کے طور پر منطق کی تحقیق و تنقید میں انھوں نے تین کتابیں بزبان عربی لکھی ہیں، جن میں سے ایک "لسان المیزان فی تقویم الاذہان" ہے جو تقریباً ہزار صفحات کو محیط ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے برصغیر پاکستان و ہندوستان اور یورپ کے فضلا کی کتابوں سے بعض تصدیقات[۵۱۹] کے ساتھ مباحث تصورات کو تمام و کمال اکٹھا کر دیا ہے۔ ان کی دوسری کتاب خلاصۃ المیزان ہے جو تصورات پر مشتمل ہے، اس سلسلے میں ان کی تمام بحثوں، تحقیق اور توجیہات کے ساتھ۔ اور تیسری رسالہ مغالطات[۵۲۰] ہے۔ ان تینوں کتابوں میں انھوں نے آزاد فکر اور معقول دلائل کے ساتھ متقدمین اور متاخرین کی آرا کا تجزیہ کیا ہے، کہیں تو موافقت و مطابقت انداز میں اور کہیں شدید جرح و تنقید کے ساتھ۔ اور لسان المیزان کے مقدمے میں انھوں نے جو تعریف دی ہے اس میں مسائل منطق میں تحقیق و جرح اور تعدیل (دو چیزوں کو برابر رکھنا) سے متعلق ان کے

---

۵۱۷ سیر حکمت در اروپا، ج ۲، ص ۱۳۲ ۵۱۸ تحقیق سمت القبلہ، ص ۳۰

۵۱۹ قدما کے نزدیک منطق کا موضوع تصوریہ و تصدیقیہ معلومات ہیں، جن کی پہلی قسم کو معرف اور قولِ شارح اور دوسری کو قیاس و حجت کہتے ہیں۔ (رہبرِ خرد، ص ۱۳)

۵۲۰ سوفسطیقا یا مغالطہ، منطق صوری کا ایک حصہ ہے جو لفظی یا معنوی اشتباہات و اغلاط سے متعلق ہوتا ہے اور پھر اس کے اپنے اجزائے ذاتی و خارجی ہوتے ہیں۔ (رہبرِ خرد، ص ۳۵۶)

سے کا پتا چل سکتا ہے۔

(عربی سے ترجمہ): میری خواہش ہے کہ میں قدیم اہلِ منطق کی جنھوں نے اپنے علم کو فکری خطاؤں سے نجات کا وسیلہ جانا ہے، بعض اغلاط اور اوہام کو واضح کروں۔ میں مختلف بحثوں کے دوران میں، موقع محل کے مطابق، ان خطاؤں اور تخلیط (باہم غلط ملط کرنا) کی بھی تفصیل دوں گا جو متفلسفیوں اور نفس الامر کے حقائق کے جستجو کنندگان کو پیش آئیں۔ صاحبِ انصاف اور جور و ستم سے محترز اربابِ مطالعہ سے یہ تمنا ہے کہ ان اوراق کے مطالعے کے وقت روشِ تعصب کو ایک طرف رکھیں، تقلید کے حلقے کو توڑ ڈالیں اور تحقیق کی راہ اختیار کریں۔ اس کتاب کے مقدمے میں واضح انداز اختیار کرتے ہوئے یہ بات ثابت کروں گا کہ منطق، استدلال صحیح کا واحد طریقہ نہیں اور نہ فکری اغلاط سے محفوظ رکھنے والا (علم) ہی ہے۔ اس کے بعد بعض مشہور تصورات کے علمی مباحث کی، جو اس علم کے علما میں مسلم جانے جاتے ہیں، اس طرح توضیح کروں گا جس سے حق الیقین کا مرتبہ ظنون و اوہام سے متمیز ہو جائے۔[۱۲۵]

علامہ کاکڑ اس انداز میں نشأۃ ثانیہ کے دور کے باریک بین علما کی مانند اس دور کے مروجہ علوم و فنون کو نقد و تحقیق کی نظر سے دیکھتے اور علم کے متجسسین و محققین کو ژرف بینی، ترکِ تعصب فکری اور قدما کی تقلیدِ محض سے دوری کی دعوت دیتے ہیں۔ اور خود یہ واحد روشِ تازہ ہے جو انھوں نے اسلاف کے متونِ کتب اور افکار میں محدود و محصور ماحول میں پیش کی، اور اگر اس دور میں یورپ کا سا علمی اور علم پرور ماحول ہوتا تو یقیناً آنے والے (اربابِ علم) اس فکر کی پرورش، تنبیہ اور تقویت کے سلسلے میں کسی مقام پر پہنچے ہوتے، اور علم میں آزادانہ غور و فکر کے اصول نشو و نما پاتے، مگر افسوس۔ زمانے میں ہمارا ملک خانہ جنگیوں اور بیرونی حملوں کا شکار رہا، حتیٰ کہ اس دانش مند فلسفی (کاکڑ) کی علمی تصانیف بھی، جو صرف ایک ایک قلمی نسخے پر مشتمل تھیں، اس تباہ کن گیر و دار میں یا تو کسی تاریک گوشے میں گم ہو کے رہ گئیں یا پھر بالکل تباہ ہو گئیں۔

علم کی تشویق اور فلسفے کا مطالعہ

زندگی کے آخری ایام میں[۱۲۶] علامہ کاکڑ تحقیق و تفکر کے مرتبے تک پہنچ گئے تھے۔ انھوں نے

---

۱۲۵ مقدمہ لسان المیزان (قلمی)۔

۱۲۶ علامہ حبیب اللہ کاکڑ کے آخری ایام کا زمانہ تیرھویں صدی ہجری کے نصف دوم کا ہے، کیونکہ ان کی وفات قندھار کے مقام پر بعمر ۵۲ سال، ماہ رمضان ۱۲۶۵ / ۱۸۴۹ء میں ہوئی۔

اس وقت کے ملاؤں کے تعصب اور تنگ حوصلگی کے پردے چاک کر ڈالے اور اخلاقی فضائل اور دینی احکام کے پابند ہوتے ہوئے بھی وہ تحقیقاتِ علمی میں بحث اور غور و فکر کو جائز جانتے تھے، یہاں تک کہ آزاد فکر اور اندیشۂ رسا کے ساتھ قدما کے اصولوں وغیرہ پر تنقید و جرح کرتے تھے۔

اس زمانے میں جب کہ لوگ علم کو محض روایتی انداز میں پڑھنے کا نام دیتے تھے، علامہ نے علومِ معقول کی تدریس کا بیڑا اٹھایا اور آزادانہ علمی تنقید کی تلقین کی۔ ابوالفتح بستی کی پیروی میں کہے گئے عربی کے ایک نونیہ قصیدے میں، جو انھوں نے زندگی کے آخری دنوں میں اپنے بیٹوں اور دوستوں کو نصیحت کی خاطر لکھا، وہ حصولِ علم و دانش اور تحصیلِ علومِ عقلی کا اس طرح شوق دلاتے ہیں:

ترجمہ: علوم کو، جن کے بغیر زندگی میں چارہ نہیں ہے، بڑا مت جانو۔ طب، حساب، نجوم اور ہندسے کے علوم سیکھو، اس لیے کہ ان علوم پر زندگی کی بنیاد استوار ہے۔

علامہ کاکڑ نے دوسرے علوم اور فلسفے پر بھی کتابیں لکھیں، جن میں سے ایک "انموذج العلوم" (عربی میں) ہے جو نماذج ثلاثہ (تین نمونے) کو محیط ہے، جن میں سے ایک محقق دوانی کا[23]، دوسرا میرزا حبیب اللہ شیرازی (متوفی ۹۴۰ھ/۱۵۳۳ء) اور تیسرا خواجہ افضل ترکی کا[24] ہے۔ اس کتاب میں انھوں نے قدما کے افکار پر اپنی تحقیقات و مطالعات کا اضافہ کیا ہے۔

اسی طرح امام غزالی (متوفی ۵۰۵ھ/ ۱۲-۱۱۱۱ء) اور ابن رشد اندلسی (متوفی ۵۹۵ھ/۱۱۹۹ء) کی تہافۃ ثلاثہ

---

[23] جلال الدین محمد دوانی بن اسعد صدیقی (۸۳۰ھ/۱۴۲۷ — ۹۰۸ھ/۳-۱۵۰۲) فارس کا قاضی، عالم اور اخلاقِ جلالی ایسی مشہور کتاب اور فلسفۂ علوم کی دوسری کتب کا مؤلف۔

[24] ترکہ علمی خانوادے میں افضل نام کے دو شخص گزرے ہیں۔ ایک افضل الدین بن صدر ترکہ اصفہانی جس نے شہرستانی کی کتاب الملل والنحل کا فارسی میں ترجمہ کیا، جو شاہ رخ کے دور میں ہرات آیا اور جسے ۱۳ رمضان (۸۵۰ھ/۱۴۴۶ء) کو ساوہ کے مقام پر نفس . . . ت کے ساتھ بے گناہ تختۂ دار پر لٹکا دیا گیا۔ دوسرا افضل الدین محمد ترکہ، جو اصفہان کے مشہور قضاۃ میں سے ہے۔ وہ عقلی و نقلی علوم کا ماہر تھا۔ اس نے ۹۹۱ھ/ ۱۵۸۳ء میں رَے (پرانا تہران - م) کے مقام پر وفات پائی۔ راقم سطور (حبیبی) کو علم نہیں کہ یہ انموذج (نمونہ) کس خواجہ افضل کی ہے۔ کشف الظنون اور ایضاح المکنون کے مؤلفین نے تمام نماذج میں، جو بکثرت ہیں، اس کتاب کا ذکر نہیں کیا۔

اور خواجہ زادہ رومی (متوفی سنہ ۸۹۳ھ/۱۴۸۸ء) کے محاکمہ کا ملخص "تنقیح التہافہ" کے نام سے (ایک جلد میں) لکھا، اور ان حضرات کے فلسفیانہ مناظرات کے بارے میں انصاف اور آزاد فکر کے ساتھ حکم لگایا ہے۔ نیز بعض مواقع پر دلیل و برہان کے ساتھ اپنی رائے کا الگ اظہار کیا اور مسائل علوم میں انھوں نے اپنی تنقیدی روش سے کام لیا ہے۔[۲۵]

مشرق و مغرب کے دو فلسفیوں میں توارد فکری

کبھی کبھی ایک ہی دور کے دو دانش مندوں میں فکری توارد ہو جاتا ہے، یعنی جو کچھ ایک فلسفی مشرق میں سوچ رہا ہوتا ہے، اسی کو مغرب کا کوئی فلسفی پیش نظر رکھے ہوتا ہے۔ اس کا سبب شاید ان فکری محرکات اور وسیع علمی استعدادات کا اشتراک ہو جو ان دونوں مفکرین کے ذوق و ادراک میں ہوتے ہیں۔

لیکن اس قسم کے تابندہ ادراک اور روشن استعدادات کے ذیل میں یہ بات (دونوں کو) الگ کرتی ہے کہ ایک کے لیے تو خارجی ماحول اور عوامل سازگار ٹھہرتے ہیں اور اسے اس کا موقع دیتے ہیں کہ وہ اپنی استعداد کے خارجی مظاہر کو ذہنی مدارج سے عملی مراحل تک حقیقت کا روپ دے دے، اور جو کچھ اس نے سوچا اور غور و فکر کیا ہے، دوسرے اس کی تکمیل کر دیتے اور اس سے بہرہ ور ہوتے ہیں۔ اس کی مثالیں انسانی دانش کی تاریخ ارتقا میں، یونانی فلاسفہ کے زمانے سے لے کر آج تک کے دور میں نظر آتی ہیں۔ اور آج انسان نے دانش و فرہنگ کی جو دولت سمیٹی ہے وہ اسی ارتقا کے نتیجے میں وجود پذیر ہوئی ہے اور اسی نے انسانی علم کو موجودہ مرتبے تک پہنچایا ہے۔

نشاۃ ثانیہ کے دور میں جب یورپ میں علم کی تحریک تجدید حیات کا آغاز ہوا تو اسی زمانے میں، بغیر کسی شک و شبہ کے، مشرق اور ایشیا میں بھی بڑے بڑے اصحاب فکر و دانش موجود تھے جن کی خلاق استعدادات ژرف افکار اور جہاں بینی مسلم تھی۔ اور یہ جو بیسویں صدی عیسوی میں مشہور فلسفی آئن سٹائن نے جوہری حرکت کا نظریہ سائنس کی رو سے ثابت کیا ہے تو صدیوں پہلے ملا صدرا (متوفی ۱۰۵۰ھ/۱۶۴۰ء) نے اسے

---

[۲۵] مولانا محمد حنیف ندوی نے بھی غزالی کی تہافۃ الفلاسفہ اور ابن رشد کی تہافۃ التہافہ کا محاکمہ اردو میں کیا ہے جسے ادارۂ ثقافت اسلامیہ لاہور نے شائع کیا ہے۔ ان دقیق فلسفیانہ مباحث کو انھوں نے ادبی رنگ میں پیش کیا ہے جسے بجا طور پر اردو ادب میں ایک مفید اضافہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ (مترجم)

اپنی اسفارِ اربعہ میں آگے بڑھایا اور پیش کیا تھا، اور اب بیسویں صدی کے اس مفکر نے زیادہ سازگار ماحول اور مثبت تجرباتی علوم کی روشنی میں اسے مرتبۂ کمال تک پہنچایا اور ثابت کیا ہے۔ لیکن ایشیا کے تاریک ماحول نے، جو بڑی تیزی کے ساتھ زوال پذیر ہو رہا اور رجعتِ قہقری اختیار کیے ہوئے تھا بہت سی علمی استعدادات (TALENTS) کو خاموش اور بانجھ کر دیا۔

اس سے پہلے ہم کہہ چکے ہیں کہ فکر و نظر و اندیشہ کے اظہار کے سلسلے میں رینے دکارت اور محقق کاکڑ میں بہت زیادہ مشابہت پائی جاتی ہے۔ اس ضمن میں ایک مثال یہ ہے کہ دکارت نے اپنا مشہور رسالہ جو "نظریۂ ادراک" سے متعلق ہے، ۱۰۴۷ھ/۱۶۳۷ء کے دوران لکھا۔ اس رسالے کے پہلے حصے میں اس نے اس بات کا اظہار کیا ہے کہ بچپن ہی میں وہ تحصیل علم و ادب میں مصروف ہوا اور اپنے ز... کے علوم و فنون حاصل کر کے فضلا کی صف میں شامل ہو گیا۔ لیکن جب اس نے صحیح غور و تامل کیا تو ... اس کی طبیعت کو قانع کر دیتی ان (علوم و فنون) سے میسر نہ آئی تھی۔ چنانچہ اس نے یہ نتیجہ نکالا کہ ... سب تعلیم غلط ہے یا پھر بے حاصل، اور یہ کہ گزشتہ مکتب کی معلومات نہ تو یقینی ہیں اور نہ کسی ... اور نہ ان سے کوئی نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔ چنانچہ اس ضمن میں اسے اپنی بے علمی کا اندازہ ہو گیا اور اس کا اس نے اعتراف کر لیا، اور یوں اسے اپنے دور کے علم و حکمت کے بیکار، بے فائدہ، غلط اور غیر یقینی ہونے کا پتا چل گیا، جس پر اس نے ارادہ کر لیا کہ وہ اپنی ذاتی لیاقت و اہلیت کے ساتھ علم حاصل کرے گا۔[۵۲۶]

اب ذرا علامہ کاکڑ کی طرف آئیں تو بالکل یہی صورتِ حال سامنے آتی ہے۔ لسان المیزان کے مقدمے میں انھوں نے جو کچھ کہا ہے، انہی کی زبانی سنیے: (عربی سے ترجمہ): اس ناچیز نے توفیقِ الٰہی سے علومِ عقلی کا ذائقہ اعتبار کے مذاق سے چکھا، اور عمیق نگاہوں سے اس کے اعماق کو دیکھا۔ علوم کے ثمرات حاصل کرنے کے لیے بہت زیادہ سعی و کوشش بروئے کار لایا اور ان کے ذخائر اکٹھے کرنے کی خاطر میں نے مختلف قسم کی تکلیفیں اور مصیبتیں برضا و رغبت جھیلیں۔ اس رنج و تعب کے مرحلے میں، کہ جس کے باعث میں بلند مقامات تک پہنچ چکا تھا، میں ان علوم کے مقاصد کی غایتوں میں گہرائی تک اتر گیا کہ شاید اس طرح ان علوم

---

۵۲۶ سیر حکمت جلد ۱، ص ۹۹

کی جائے طلوع سے عقل و دانش کا کچھ نور پھوٹے جس کے پرتو میں میں کسی حقیقت تک پہنچ جاؤں ۔ لیکن اس کی باریکیوں پر بہت زیادہ غور و تامل کے بعد میں اس نتیجے پر پہنچا کہ یہ وادی حیرت اور سرگشتگی پر جاکر ختم ہوتی اور انسان کو اپنی کم علمی و نادانی کے اعتراف پر لے آتی ہے ۔ لہٰذا ژرف بین نگاہوں اور عقل و خرد سے کام لینے کے سوا کوئی اور چارۂ کار نہیں ہے ۔"[۵۲]

اس کے بعد علامہ کاکڑ (جیساکہ اوپر مذکور ہوچکا) اپنے قارئین کو تعصب اور تقلید ترک کر دینے کی تلقین کرتے ہیں تاکہ وہ بصیرت و اعتبار کی نگاہ سے دیکھیں اور فکر کو وہم و گمان کے حلقے سے نجات دلائیں۔

یہ تھی ایک افغان مفکرّ و دانش مند کے پرتوِ افکار کی ایک جھلک ، جس کی طرف اختصار کے ساتھ اشارہ کیا گیا ہے۔ امید ہے جوان اور دانش مند افغان نسل مستقبل قریب میں اپنی ان فکری و علمی میراثوں کے احیا پر کمرِ ہمت باندھیں گے اور ترقی یافتہ ملکوں کی طرح اپنے ملک کے اس مفکر و دانش مند اور دیگر علما کی تمام تصنیفات کو (جو مخطوطات کی صورت میں ہیں) اکٹھا کر کے آج کے انسانی دانش و تجربہ کی روشنی میں ان کا مطالعہ و تجزیہ اور توضیح و تشریح کریں گے اور علوم ریاضی ، منطق ، فلسفہ و تشریح میں علامہ کاکڑ نے جس دقتِ نظر اور تحقیق سے کام لیا ہے اس کی شرح و تفصیل ان کی تصانیف کے حوالے سے بیان کریں گے۔ بات یہ ہے کہ اس مفکر کے علمی آثار اب تک گوشۂ گم نامی میں پڑے ہوئے ہیں ، یہاں تک کہ ان کے وجود تک کی بھی کسی کو خبر نہیں اور ان کی بعض منتخب کتابیں ایسی ہیں جن کا صرف ایک ایک نسخہ ہے ، جو انھوں نے خود اپنے ہاتھ سے لکھیں اور بعد میں کسی نے ان کی نقل بھی نہ کی ۔

آخر میں خاکسار (حبیبی) قارئینِ کرام سے معذرت خواہ ہے کہ وہ اس مقالے میں اس مفکرّ و دانش مند کے علمی کارناموں کی مثالیں تفصیل سے پیش نہ کر سکا ، جس کی وجہ ان کی تصانیف و تالیفات کے قلمی نسخوں تک راقم کی عدم رسائی ہے ۔ اگر آئندہ کبھی موقع میسر آیا اور علامہ کے مخطوطات ہاتھ لگے تو منطق ، ریاضی ، فلسفہ اور تشریح میں ان کے ہر ہر کارنامے پر (جن پر ان کی طبع کی اپج اور جدّت کی چھاپ ہے) الگ الگ بحث کی جائے گی ۔ ان شاء اللہ العزیز ۔

---

۵۲ مقدمہ لسان المیزان (قلمی)